بعض درویشان قادیان کے نکاحوں کا اعلان

(فرمودہ ۲۲ مئی ۱۹۵۱ء)

۲۲ مئی ۱۹۵۱ء حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے قادیان کے بعض درویشوں مکرم یونس احمد صاحب واقف زندگی پسر مکرم ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم ربوہ اور مکرم محمد ابراہیم صاحب ٹیلر ماسٹر پسر فضل کریم صاحب کے نکاحوں کا اعلان فرمایا۔ یہ نکاح علی الترتیب محترمہ امتہ السلام صاحبہ اور محترمہ امتہ القیوم بیگم صاحبہ سے ایک ایک ہزار روپیہ پر قرار پائے جو محترم قریشی حبیب احمد صاحب بریلی (بھارت) کی بیٹیاں ہیں۔ نکاحوں کا اعلان حضور نے صبح گیارہ بجے اپنے دفتر واقعہ ربوہ میں فرمایا۔ اس موقع پر حضور نے شیخ نصیرالدین احمد صاحب ابن ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب ربوہ۔ اور محترمہ امتہ الحمید صاحبہ بنت مکرم عبدالحمید خان صاحب مرحوم ربوہ کے نکاح بعوض سات صد پچاس روپیہ اعلان بھی فرمایا :[1]

خطبہ مسنونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

چونکہ قادیان کے ملنے میں دیر ہو رہی ہے قادیان ہمارا مقدس مقام ہے جس کی حفاظت ہمارا فرض ہے اس لئے ضروری تھا کہ ہماری جماعت کا ایک حصہ وہاں رہے اور مقدس مقامات اور شعائر اللہ کی حفاظت کرے۔ مگر چونکہ نوجوانوں کے لئے ایک لمبے عرصہ تک شادی کے بغیر رہنا مشکل ہوتا ہے اس لئے میں نے یہ تجویز کی کہ جس طرح بھی ہو وہاں کے رہنے والے قادیان سے باہر شادیاں کرلیں تاکہ ان کو اطمینان اور سکون حاصل ہو۔ عربوں میں تو غیر ملکی لوگوں سے اپنی لڑکیاں بیاہنے کا رواج ہے کہ باوجود اس کے کہ تیرہ سو سال گزر چکے ہیں اور

ہزاروں خرابیاں ان میں پیدا ہو چکی ہیں پھر بھی ان کی یہ شان اب تک باقی ہے کہ خواہ کسی ملک کا باشندہ ان کے ہاں چلا جائے وہ اس کے ساتھ اپنی لڑکی بیاہ دینے میں قطعی طور پر کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ ہے کہ آج حبشیوں کے ہاں عرب لڑکیاں موجود ہیں، چینیوں کے ہاں عرب لڑکیاں موجود ہیں، یورپین مسلمانوں کے ہاں عرب لڑکیاں موجود ہیں غرض اسلامی اخوت کی یہ بنیادی چیز ایسی ہے جسے اہل عرب نے اب تک قائم رکھا ہوا ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ رسول کریم ﷺ کے معجزوں میں سے ایک بہت بڑا معجزہ ہے مگر افسوس ہے کہ باقی مسلمانوں نے اس کی اتباع ترک کردی ہے اور وہ غیر ملکی تو الگ رہے غیر صوبہ بلکہ غیر ضلع والوں کے ساتھ اپنی لڑکیوں کے بیاہنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ بلکہ آج کل کے مسلمانوں کی تو یہ حالت ہے کہ گزشتہ دنوں مسٹر کنزے اور مسٹر رشید احمد امریکن کی ہم نے یہاں شادی کی (یہ دونوں غیر ملکی ہیں اور تنگ گزارہ کرنے والے ہیں) ان کے ساتھ اپنی لڑکیاں بیاہنے والوں نے یقیناً ایک رنگ میں قربانی سے کام لیا ہے گو یہ قومی قربانی نہیں صرف فردی قربانی ہے مگر ان شادیوں پر بھی غیر احمدیوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ لوجی اب غیر ملکیوں کو اپنی لڑکیاں دی جارہی ہیں اب یہ باہر جائیں گی اور جاسوسی کریں گی۔ گویا بجائے اس کے کہ وہ اسلامی روح کا مظاہرہ کرتے وہ حقیقی اسلامی روح کے مظاہرہ پر معترض ہو گئے حالانکہ یہ چیز مذہبی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ بہرحال جب میں نے یہ تحریک کی کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے احمدی قادیان کے درویشوں کو اپنی لڑکیاں دیں تو اس پر بارہ چودہ شادیاں ہوگئیں اور اب آہستہ آہستہ اور شادیاں بھی ہو رہی ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ شادی کے بعد انہیں ایک قسم کا سکون حاصل ہو جائے گا اور ایک تنگ جگہ میں رہنے کی وجہ سے ان کے دلوں میں پہلی سی بے تابی نہیں رہے گی۔ میاں بیوی کا رشتہ خدا تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ بغیر اس کے انسان زیادہ دیر تک آرام سے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ لیکن جب بیوی بچے ساتھ ہوں تو پھر سالہا سال بھی انسان تکالیف کو زیادہ محسوس نہیں کرتا۔

ہمارے ملک کے تاجر باہر جاتے ہیں تب بعض دفعہ پندرہ پندرہ بیس بیس سال تک باہر رہتے ہیں۔ جالندھر کے راول جاتے ہیں تو دس دس پندرہ پندرہ سال باہر رہتے ہیں اسی طرح پھیری کا کام کرنے والے تاجر سالہا سال باہر رہتے ہیں اور وہ گھبراتے نہیں کیونکہ ان کی قوم کو اس بات کی عادت ہو گئی ہے۔ دوسرے لوگوں کو یہ عادت نہیں اس لئے وہ بغیر شادی کے رہنے

سے گھبراتے ہیں۔ اگر ان کی شادیاں ہو جائیں اور بیویاں ساتھ ہوں تو تکلیف دہ حالات کو بھی خوشی سے برداشت کرنے لگتے ہیں اور ان کے ماں باپ بھی خوش رہتے ہیں۔ کیونکہ انہیں خبریں آتی رہتی ہیں کہ اب ان کا فلاں پوتا پیدا ہوا ہے اب فلاں پوتی پیدا ہوئی ہے، وہ دور بیٹھے اس خیال سے خوش رہتے ہیں کہ ہماری نسل چل رہی ہے۔ پھر اس سے نہ صرف قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے بلکہ یہ احساس بھی مٹ جاتا ہے کہ میں کسی جگہ قیدی بن کر رہ گیا ہوں۔ ایک جگہ بیٹھا ہوا انسان بعض دفعہ گھبرا جاتا ہے لیکن شادیوں کا یہ فائدہ ہے کہ اگر کوئی شخص گھبرائے اور اس کی شادی مثلاً میرٹھ یا شاہ جہان پور یا دلی میں ہو چکی ہو تو وہ مہینہ بھر کے لئے اپنے سسرال چلا جائے گا اور اس طرح اپنی گھبراہٹ کو دور کر سکے گا۔ غرض ایک طرف وہ یہ سمجھے گا کہ میں قیدی نہیں اور دوسری طرف اس کے ماں باپ کو گو اس کی جدائی کا احساس ہو گا مگر اس خیال سے کہ ہمارے لڑکے کا گھر آباد ہے ان کا صدمہ نسبتاً کم ہو جائے گا۔

(الفضل یکم جون ۱۹۵۱ء صفحہ ۲، ۳)

لـہ الفضل ۲۶ مئی ۱۹۵۱ء